فورٹ ولیم کالج میں اردو نثر کا ارتقاء

عذرا وقار

۴مئی ۱۸۰۰ء کو لارڈ ویلزلی گورنر جنرل ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا افتتاح کیا۔ اس سے پہلے کمپنی کے انگریز ملازموں کے لیے اردو کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ وارن ہیٹنگز گورنر جنرل اول نے دیسی کالج کے نام سے ایک مدرسہ جاری کیا تھا جس میں انگریز ملازم اور ہندوستانی طلبا فارسی پڑھتے تھے لیکن اردو یا اور کوئی ملکی زبان نہ پڑھائی جاتی تھی۔ مغل سلطنت کے زوال اور اردو زبان کی ترقی کے ساتھ انگریزوں نے اردو کی ضرورت کو محسوس کر لیا اور اس کی باضابطہ تعلیم کا انتظام کر دیا۔[۱] پھر جو انگریز کمپنی کے ملازم ہو کر آتے وہ سولہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں آتے اور واجبی سی تعلیم حاصل کر سکتے۔ ہندوستان کے متعلق ان کی معلومات صفر تھیں۔ اسی وجہ سے وہ یہاں آ کر اپنے فرائض کو پوری طرح ادا نہ کر سکتے۔[۲] چنانچہ فورٹ ولیم کالج کو علوم و فنون کی درس گاہ بنایا گیا جہاں علمی زبانیں، عربی و فارسی و سنسکرت بھی پڑھائی جاتیں اور ملکی زبانیں اردو، بنگالی، مرہٹی اور یورپین زبانیں انگریزی، لاطینی اور یونانی بھی۔ اس کے علاوہ علوم و فنون کی تعلیم بھی دی جائے جن میں تاریخ عالم، تاریخ ہند، جغرافیہ، اصول قانون، شرع اسلام، دھرم شاستر وغیرہ شامل ہوں لیکن اخراجات کے لیے کمپنی نے پیسے دینے سے انکار کر دیا تو اسے صرف زبانوں کی تعلیم پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔[۳]

ڈاکٹر گل کرائسٹ اس کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنی مدد کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھی مدرس مقرر کیا اور اردو کی تعلیم کے ساتھ انہوں نے اردو تالیف و تصنیف کا محکمہ بھی قائم کیا اور آسان اردو میں کتابیں لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔[۴]

کمپنی کے ملازموں کو ہندوستانی یا اردو زبان سکھانے کے لیے قصہ کہانیوں کی بہت سی کتابیں فورٹ ولیم کالج سے شائع کی گئیں۔ تاریخ اخلاق اور دوسرے علوم پر بھی کتابیں چھاپی گئیں۔ گل کرائسٹ نے اردو زبان کو آسان

صورت میں پیش کر کے آنے والے مصنفوں کو ایک نئی راہ بتائی۔ اس سے بیشتر فارسی الفاظ کے غیر فطری استعمال سے مقفیٰ و مسجع اردو لکھی جاتی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں نے سادگی اور سلاست کے ایسے نمونے پیش کیے جو اس سے پہلے موجود نہیں تھے۔ انہوں نے کتب میں لفظی ترجموں کی بجائے مفہوم پر زور دیا چنانچہ فورٹ ولیم کالج کے ادباء نے ایک ایسی تحریک کو فروغ دیا جس نے اردو نثر کو ادبی اظہار کی راہ دکھائی اور اس کے لیے عام فہم اور سادہ اسلوب نگارش رائج کیا۔

تحریک فورٹ ولیم کالج نے بالخصوص عوامی دلچسپی کو فوقیت دی اور قصوں اور کہانیوں کو ادب میں پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ فارسی اور سنسکرت کے وہ قصے جن کا داستانی عنصر سننے والوں پر سحر کر دیتا تھا جب اردو میں منتقل ہو گئے تو نہ صرف اس زبان میں عوام کی دلچسپی بڑھ گئی بلکہ داستان گوئی کے فن کو بھی فروغ ہوا۔ تحریک فورٹ ولیم کالج کے اس کارنامے کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں کہ اس نے چہار درویش، توتا کہانی، آرائش محل، داستان امیر حمزہ، قصہ گل بکاؤلی، مادھولال کام کنڈلا، اور شکنتلا وغیرہ کو اردو میں منتقل کیا اور یوں اردو کے داستانی ادب میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ چنانچہ اردو میں داستان نگاری کا ارتقاء فورٹ ولیم کالج کا رہین احسان ہے۔[۵]

جدید اردو نثر کا ظہور صحیح معنوں میں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد ہوا کیونکہ اس میں نہ صرف اردو میں کتابیں لکھوائیں جاتیں بلکہ شائع بھی کی جاتیں۔ اس کے علاوہ یہاں ایک کتب خانہ بھی تھا۔ کالج میں یورپین پروفیسروں کے علاوہ مولویوں، مفتیوں اور پنڈتوں کی تعداد اسی (۸۰) تھی جو بعض اوقات طلبا کی تعداد سے بھی بڑھ جاتی۔ گل کرائسٹ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے اور اردو زبان انہوں نے ذاتی دلچسپی کے طور پر سیکھی۔ انہوں نے انگریزی ہندوستانی لغت، ہندوستانی زبانوں کے قواعد (انگریزی) اور مشرقی زبان دانی (انگریزی) میں تالیف کر کے اردو زبان سے اپنی دلچسپی کا اظہار کر چکے تھے۔ انہوں نے چار سال فورٹ ولیم کالج میں گذارے۔ انہوں نے محسوس کر

لیا کہ زبان دانی کے لیے نثر کا ہونا بہت ضروری تھا۔نثر سیکھنے کے لیے نثری نمونوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ یہاں کے مصنفوں کو درس و تدریس کے ساتھ تالیف کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔کالج کی یہ خدمات کم و بیش بیس برس جاری رہیں اور اس عرصے میں تقریباً پچاس کتابیں اردو میں لکھی گئیں۔بیشتر ذخیرہ قصہ کہانیوں پر مشتمل تھا لیکن تذکرے، لغات، صرف و نحو، اخلاق، مذہب اور تاریخ پر بھی توجہ دی گئی۔نستعلیق ٹائپ کا چھاپہ خانہ بھی قائم کیا گیا۔اس طرح ادب کے ذریعے انگریزوں کو ہندوستانی عادات و اطوار، تہذیب و معاشرت، روایات و اقدار، رسومات و تعصبات سے پوری طرح آگاہ کیا گیا۔اگرچہ انگریزوں نے یہ کام اپنے مقاصد کے لیے کیا مگر اس سے اردو زبان کو اور نثر کو خصوصاً ارتقاء پذیر ہونے کا موقع ملا۔اس کالج کی نثر نگاری سے ہندوستان میں داستان گوئی اور داستان نویسی کے فن کو فروغ ملا۔

داستانیں یہاں کے زوال پذیر معاشرے میں امراء و عوام میں مقبول ہوئیں۔سیاسی طاقت تو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی تھی مگر حکومت کا نشہ اور عظمت گذشتہ کے خوابوں کی تعبیر داستانوں ہی میں ملتی تھی۔ذہن اپنے ماحول کی ناخوشگواریوں سے پناہ لینے کے لیے داستانوں کی دنیا میں پہنچ جاتے تھے۔جہاں ہر بلا، ہر مصیبت پر ہیرو اور اس کے ساتھی فتح پا لیتے تھے اور یہ فتح پڑھنے والوں کی فتح بن جاتی تھی۔امراء داستان گویوں کو ملازم رکھتے جو رات رات بھر داستانیں سناتے اور نواب صاحب کو معلوم ہوتا گویا ان کے سردار نے مہم سر کر لی ہے۔تمام کردار بادشاہ ہزارے ہوتے تھے اور ان کی ذات کی خوبیاں انتہا درجے کو پہنچی ہوتیں۔وہ بے حد خوبرو بہادر، صاحب ایمان، فیاض، ہمدرد، نیک، انسان دوست، فہم جو، صاحب فہم اور ان کے مخالفین ذلیل، مغرور، مکر و فریب اور خود غرضی کے نمونے ہوتے اور فتح ہمیشہ نیکی کی ہوتی۔[۶] اس طرح انگریزوں نے داستانیں تصنیف کروا کر یہاں کے لوگوں کو تخیلاتی دنیا میں پہنچا دیا۔

فورٹ ولیم کالج زیادہ تر ایک ادبی اور لسانی تحریک ثابت ہوئی اور اس کا اثر محدود رہا۔اس کے علاوہ یہ صرف زبان دانی کا کالج بن کر رہ گیا اور اس کے اثرات اسلوب بیان کی سرحدوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔اس کے

برعکس دہلی کالج جو ۱۷۹۲ء میں کھلا، میں شمالی ہندوستان میں پہلی مرتبہ اردو کے ذریعے مغربی علوم، ریاضی، سائنس، علم ہیئت، اور فلسفہ وغیرہ کی تدریس شروع ہوئی جس نے نئی قدروں کو فروغ دیا۔[۷] بہرحال اس حقیقت کے باوجود کہ فورٹ ولیم کالج کی تحریک کی دنیا محدود تھی ہم اردو نثر کو فروغ دینے میں اس کے کردار کو ایک اہم موڑ سمجھتے ہیں۔ گل کرائسٹ نے اپنے لغت اور قواعد کے ضمیمے میں لکھا:

> ۱۷۸۲ء میں بمبئی میں وارد ہوتے ہی میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں میرا قیام خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو اس وقت تک نہ تو میرے ہی لیے خوشگوار ہو سکتا ہے اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس ملک کی مروجہ زبان میں پوری دست رس نہ حاصل کر لوں جہاں مجھے عارضی طور پر قیام کرنا ہے۔[۸]

اس کے علاوہ اس نے ہندی کی آسان مشقیں ترتیب دیں۔ معلم ہندوستانی، علمی خاکے، اتالیق ہندی، ہندی الفاظ کی قرأت، ہندی عربی آئینہ، مکالمات انگریزی و ہندوستانی، مشرقی قصے، ہندی داستان گو، یہ سب کتابیں اس نے تصنیف و تالیف کیں۔ یہاں اس کے علاوہ جو کتابیں تصنیف و ترجمہ ہوئیں ان میں میر امن کی '*باغ و بہار*' اور '*گنج خوبی*' حیدر بخش حیدری کی '*طوطا کہانی*' اور '*آرائش محفل*' '*حاتم طائی*' مرزا علی لطف کا '*تذکرہ گلشن ہند*' شیر علی افسوس کی '*باغ اردو*' اور '*آرائش محفل*'، بہادر علی حسینی کی '*نثر بے نظیر*' اور '*اخلاق ہندی*'، مظہر علی ولا کی '*مادھونل اور کام کندلا ہفت گلشن*' اور '*بیتال پچیسی*'، کاظم علی جوان کی '*شکنتلا*'، شیخ حفیظ الرحمٰن کی '*خرد افروز*'، خلیل علی اشک کی '*داستان امیر حمزہ*' اکرام علی کی '*اخوان الصفا*' نہال چند کی '*مذہب عشق*'، بینی نرائن کا '*دیوان جہاں*' للو لال جی کی '*سنگھاسن بتیسی*'، یہ سب کتابیں فورٹ ولیم کالج میں تالیف و ترجمہ ہوئیں۔

فورٹ ولیم کالج تحریک سے پہلے کی نثر کا نمونہ اگر ہم سامنے رکھیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کالج میں اردو کو کس قدر آسان، سہل اور قابل فہم بنا دیا گیا تھا مثلاً:

شیخ وجیہہ الدین گجراتی:

''عارف اسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے''۔

(ملا حسین واعظ فارسی کی کتاب روضۃالشہدا کا ترجمہ)

فضل علی فضلی۔کربل کتھا:

''لہذا پیش ازیں کوئی اس صفت کا نہیں ہوا مخترع۔اور ابتک ترجمہ فارسی بزبان ہندی نثر نہیں ہوا مستمع۔ اس اندیشۂ عمیق میں غوطہ کھایا اور بیان تامل و تدبیر میں سرگذشتہ ہوا لیکن راہ مقصود نہ پائی''۔

میر عطا حسین تحسین: نوطرز مرصع (قصہ چہار درویش کا ترجمہ)

''بعد ایک لحمہ کے وہ ماہ شب چہار دہم رونق افزا حدیقۂ فردوس نما کے ہوکر اوپر مسند زربفت نقروی کے جلوہ آرا ہوئی واہ جی واہ، جس وقت وہ قمر طلعت داخل باغیچہ نمونہ نیت کی ہوئی عطر گلاب رخسارہ زلیخائے شب مہتاب کا تقویت بخش دماغ تماشائیوں کا ہو کے زینت آرا بزم کامرانی کا ہوا۔ یوسف عکس بیاض نگینہ ہائے الماس انجم کا اوپر خاتم مینا رنگ سبزہ زمین خلد آئین کے زیب افزا دیدہ نورانی کا ہوا۔ [۸]

اس کے بعد میرزا رفیع سودا کا ایک نثری دیباچہ ہے:

''انسان کہ جس فن سے آپ کو کما ینبغی ماہر نہ کرے چاہیے کہ اس میں اپنی حد سے سخن باہر نہ کرے گفتگوے جاہل، پہلوے عالم، مورد انفعال۔ بلکہ خموشی ہے اس کی برابر صد فضل و کمال''۔ [۹]

اب ذرا فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی نثر کے نمونے دیکھتے ہیں۔

باغ و بہار:۔ خفگی سے بولی، چہ خوش آپ ہمارے عاشق ہوئے ہیں۔ مینڈ کی کو بھی زکام ہوا۔ اے بے وقوف اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانیں خیال خام ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات، بس چپ رہ یہ نکمی بات چیت مت کر۔

طوطا کہانی:۔ اتنے میں آفتاب غروب ہوا اور رات ہوگئی۔ پریاں اس لشکر کی طرف چلیں کیا دیکھتی ہیں کہ وہ خواب غفلت میں ہے۔ تب حاتم کے سر پر بے ہوشی کی دارو چھڑک کے حنا پری کے باغ میں اٹھا کر لے گئیں۔

داستان امیر حمزہ:۔ جب حمزہ نے اردق چینی کے مارنے سے فراغت حاصل کی اور دوسرے موذیوں کو بھی پردہ فنا میں چھپایا اور آگے بڑھے تو ایک ساعت میں ایک باغ دیکھا جس کا نام ارم تھا۔

شکنتلا:۔ وہ ایک ایسا ستارہ تھی کہ تمام عالم کو جس نے روشن کر دیا تس پر سولہ سنگھار، بارہ ابھرن، جو اس نے سر سے پاؤں تلک کیے۔ دن کو تو سورج اس کا جلوہ دیکھ رشک کی آگ سے جلے اور رات کو چاند غیرت سے داغ ہو کر ستاروں کے انگاروں پر لوٹا۔

مادھونل اور کام کندلا:۔ سوکھے پتے کی طرح جنگل کی باؤ سے کبھی ادھر جا پڑتا کبھی ادھر، اگر کانٹا پاؤں میں چبھتا تو اف نہ کرتا پر درد فرقت سے دھاڑیں مار مار کر رو دیتا۔

بیتال پچیسی:۔ اس کے بیچ ایک سندر تالا دیکھا کہ اس کے کنارے ہنس۔ چکوا چکوی، بگلے، مرغابیاں سب کے سب کلول میں تھے۔ چاروں طرف پختہ گھاٹ بنے ہوتے۔

نثر بے نظیر:۔ ایسا خوش نصیب ایک لڑکا بادشاہ کے گھر پیدا ہوا کہ کیا کہیے کہ جس ہونے سے فی الحال سورج کا منہ تو مارے جلن کے انگارہ ہو گیا۔

مذہب عشق:۔ جب مسافر آفتاب ملک مغرب کی سیر کو گرم ہوا اور قیام ماہتاب رات کے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر مشرق کی طرف باگ اٹھا کر چلا۔

بحر عشق:۔ یہ خبر سنتے ہی حضور اعلیٰ سے حکم ہوا کہ وزیر زادے کو بھی شہزادے کے پاس لائیں کہ ایک جگہ دونوں پرورش پائیں۔[۱۰]

اب فورٹ ولیم کالج کے مصنفین پر ایک نظر ڈالتے ہیں کالج کے پرنسپل گل کرائسٹ کے بارے میں مختصراً ذکر کر چکے ہیں ۔ میر امن دہلی کے رہنے والے تھے ۔ ۱۷۹۸ء میں کلکتہ پہنچے ۔'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' دو تحریریں لکھیں ۔ باغ و بہار کا ماخذ تحسین کی نوطرز مرصع اور گنج خوبی اخلاق محسنی کا ملخص اور ترجمہ ہے ۔ میر امن نے باغ و بہار ۱۸۰۲ء میں لکھی ۔ ۱۸۰۳ء میں یہ کلکتہ میں شائع ہوئی ۔ یہ فورٹ ولیم کالج کی مقبول ترین مطبوعات میں سے ہے ۔ اس کی فصاحت وسلاست نے اسے وہ مقبول عام دیا کہ جب تک اردو زبان ہے یہ زندہ رہے گی ۔ باغ و بہار میں میر امن کی شخصیت اور ان کے زمانے کی دلی کی تہذیب کا بڑا روشن عکس اور گہرا رچاؤ ملتا ہے ۔ اس میں اس نے اپنے عہد کی زندہ اور متحرک تصویریں پیش کیں ہیں ۔ باغ و بہار کی زبان نہ صرف بے تکلف بول چال کی بامحاورہ زبان ہے بلکہ داستان کے فنی تقاضوں سے بھی پورے طور پر ہم آہنگ ہے ۔ میر امن کو موزوں اور مناسب الفاظ کے استعمال پر قدرت حاصل ہے ۔ بیان میں سادگی، سلاست اور روانی ہے اور جملوں کی ترتیب میں ایسا تناسب ہے کہ ٹھہراؤ کے باوجود ایک حرکت پائی جاتی ہے ۔ باغ و بہار میں واقعات، مناظر اور تقریبات کی موزوں اور دلچسپ جزئیات نے تنوع اور جاذبیت پیدا کردی ہے ۔ دوسری تحریر گنج خوبی ۱۸۰۳ء میں مکمل ہوئی مگر اس کو باغ و بہار کی طرح مقبولیت حاصل نہ ہوئی ۔

شیر علی افسوس نے باغ اردو لکھی اور پھر آرائش محفل ۔ باغ اردو شیخ سعدی کی گلستان کا ترجمہ تھا ۔ یہ ۱۸۰۲ء میں مکمل ہوئی ۔ اگر چہ اس کی زبان سادہ وسلیس ہے مگر اسلوب میں چاشنی نہیں ۔ اور اس میں اپنی طرف سے کہیں کہیں جملے بڑھائے ہوئے ہیں ۔ آرائش محفل کا اسلوب زیادہ جاذب ہے ۔ یہ سجان رائے بٹالوی کی تاریخ خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ ہے ۔ اسے ۱۸۰۵ء میں مکمل کیا گیا اور اپنے دور تک تاریخ کو مکمل بھی کیا ۔ یہ پہلی بار کلکتہ میں ۱۸۰۸ء میں شائع ہوئی ۔ اسلوب سادہ اور پر وقار ہے ۔ نہال چند لاہوری کو اپنی تصنیف مذہب عشق کی بدولت شہرت حاصل ہوئی ۔ وہ باقاعدہ کالج کے ملازم نہ تھے اور گل کرائسٹ کی فرمائش پر انہوں نے یہ کتاب لکھی ۔ یہ شیخ عزت اللہ بنگالی کی تصنیف

داستان تاج الملوک وگل بکاولی کا ترجمہ ہے۔ اسے لفظی ترجمہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ۱۸۰۳ء میں مکمل ہوئی اسے اس اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس میں ہندی الفاظ کے بجائے فارسی تراکیب اور پرشکوہ فارسی الفاظ کے استعمال کی طرف جھکاؤ زیادہ ہے۔

مظہر علی ولا فورٹ ولیم کالج کے مترجمین میں سے تھے۔ تالیفات میں *مادھونل اور کام کندلا* کا ترجمہ کر کیا *ہفت گلشن*، *تاریخ شیر شاہی*، *جہانگیر شاہی*، *بیتال پچیسی* شامل ہیں۔ ان سب میں مشہور کتاب *بیتال پچیسی* ہے جو سنسکرت کی پچیس کہانیوں کا برج سے اردو ترجمہ ہیں۔ ان میں عربی فارسی الفاظ تو خال خال ہیں اور ہندی الفاظ بھی سبک اور ہلکے پھلکے ہیں۔ للولال کوی نے *بیتال پچیسی* لکھنے میں ولا کی مدد کی۔ اس کے علاوہ *پریم ساگر*، *راج نیتی*، *سبھا بلاس*، *نہاد یو بلاس*، اور *لطائف ہندی* ان کی تحریریں ہیں۔

علاوہ ازیں ان کی تالیفات میں *پریم ساگر*، بھگوت گیتا کے دسویں باب کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ *لطائف ہندی* ہندوستانی ظریفانہ کہانیاں اور لطائف شامل ہیں۔ خلیل علی خان اشک *داستان حمزہ* کے لیے مشہور ہیں۔ اس کا اسلوب بیان انتہائی سلیس اور بے تکلف ہے۔ سادگی کے ساتھ شیرینی اور گھلاوٹ موجود ہے۔ اس کے علاوہ واقعات اکبر کے نام سے *اکبر نامہ* کا ترجمہ اور *قصہ گلزار چین* اور *رسالہ کائنات* لکھا۔

حیدر بخش حیدری نے *قصہ مہر و ماہ*، *قصہ لیلیٰ مجنوں* (مثنوی امیر خسرو) کا ترجمہ اور *طوطا کہانی* لکھی۔ یہ سنسکرت کی کہانیوں کا فارسی سے اردو ترجمہ تھا۔ *قصہ حاتم طائی* بھی ترجمہ کیا اور نظامی کی *ہفت پیکر* کا ترجمہ بھی کیا۔ ملا حسین واعظ کی *روضۃ الشہدا* کا ترجمہ *گلشن شہیداں* کے نام سے کیا۔ عنایت کی *بہار دانش* کا ترجمہ *گلزار دانش* کے نام سے کیا۔ *گلشن ہند* کے نام سے شعرائے اردو کا تذکرہ تالیف کیا۔ محمد مہدی کی *جہانکشائی نادری* کا ترجمہ *تاریخ نادری* کے نام سے کیا۔ ان کی تحریر میں سادگی اور رنگینی ہے۔ میر بہادر علی حسینی مثنوی *سحر البیان* کی نثری تلخیص کی۔ اس کے علاوہ نثر

بے نظیر، اخلاق ہندی، سنسکرت الاصل اخلاقی حکایات کو مفتی تاج الدین کی معراج القلوب سے ترجمہ کیا۔ میرزا لطف علی کالج کے ملازم نہیں تھے۔ گل کرائسٹ کی فرمائش پر تذکرہ گلشن ہند، مرتب کیا۔ ان کی زبان گنجلک ہے۔

مرزا کاظم علی جوان کی تالیفات میں شکنتلا، بارہ ماہ یا دستور ہند، سنگھاسن بتیسی کے علاوہ ترجمہ قرآن مجید، ترجمہ تاریخ فرشتہ، انتخاب میر، اور انتخاب سودا کی تکمیل میں شرکت کی۔ ان کا کارنامہ شکنتلا، کالی داس کے سنسکرت ناول کا ترجمہ ہے۔ یہ ناول فرخ سیر کے عہد میں بھاشا میں منتقل ہوا تھا۔ جوان نے اسے اردو میں منتقل کیا جو ۱۸۰۲ء میں شائع ہوا۔ دستور ہند، ایک طویل اردو نظم بطرز مثنوی ہے میں ہندو مسلم تہواروں کا ذکر ہے۔ سنگھاسن بتیسی راجا بکر ماجیت سے متعلق حکایات کے مجموعے کو دربار شاہجہانی کے کوی رائے نے سندر نے سنسکرت سے بھاشا میں منتقل کیا۔ جسے کاظم اور للولال نے ۱۸۰۱ء میں اردو میں منتقل کیا۔ مولوی اکرام علی نے رسائل اخوان الصفا میں سے ایک کا نہایت سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ بنی نارائن جہان نے چار گلشن ایک عشقیہ قصہ تالیف کیا اور تذکرہ شعرا بھی ترتیب دیا۔ ان کے علاوہ مولوی امانت علی، مرزا خان عیش، شیخ حفیظ الدین اور سید حمید الدین بہاری بھی کالج کے ملازمین میں شامل تھے۔[۱۱]

تمام مصنفین کے کام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرائسٹ کے مطابق اور حسب منشا انہوں نے اردو نثر کو مقفیٰ و مسجع تحریر کی تنگ وادیوں سے باہر نکالا اور اپنے آنے والوں کے لیے اردو کی راہیں کھول دیں۔ اس طرح اردو نثر جو فارسی زبان کے زیر اثر تنگ دامنی کا شکار تھی اور عام لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی اس تک عام لوگوں کی پہنچ ہوگئی اور نثر روزمرہ بول چال کی زبان میں لکھی جانے لگی جس سے اس کا دامن وسیع ہوگیا۔

اردو نثر کے مندرجہ بالا ارتقائی پس منظر سے واضح ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے اردو نثر کے فروغ کے امکانات کچھ زیادہ روشن نہ تھے۔ دلی اور پھر لکھنؤ میں شاعری کو زیادہ اہمیت ملی اور اس پر فارسی ہئیت اور خیالات کا بہت اثر تھا۔ کلکتہ فارسی اثر سے نسبتاً آزاد تھا۔ اس لیے وہاں اردو نثر فروغ پا سکی۔ فورٹ ولیم کالج کی نثر

نگاری کا مقصد محکوموں کے رسوم ورواج کی ثقافت کو سمجھنا، اردو کو اہمیت دے کر فارسی کی اہمیت کو کم کرنا اور لوگوں کے دلوں میں انگریزی حکومت کی شان وشوکت اور رعایا پروری کا نقش قائم کرنا تھا کیونکہ مصنفین ان ترجمہ شدہ یا تحریر کردہ کتابوں کے دیباچوں میں ڈاکٹر گل کرائسٹ اور سرکار انگلشیہ کی قصیدہ گوئی کرتے تھے۔ چنانچہ گو اس تحریک کے محرکات سیاسی تھے مگر اس کے ثمرات نے بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر ادب کو متاثر کیا۔ اردو نثر کا پہلا ادب یہیں پیدا ہوا۔ اس سے پہلے اردو نثر کی باقاعدہ روایت موجود نہ تھی جو تحریریں تھیں ان کے اسلوب گنجلک اور مشکل تھے اور ان کے اسلوب میں زندہ رہنے کی قوت نہیں تھی۔ تحریک فورٹ ولیم کالج کی نثر کے اسلوب میں قاری کو گرفت میں لینے اور اس پر ابلاغ کے دروازے کشادہ کرنے کی اہلیت چونکہ زیادہ تھی اس لیے اس نثر میں زندہ رہنے کی قوت تھی اور اس نے آئندہ زمانے میں مختلف اسالیب بیان کو جنم دیا۔ برصغیر کی سیاسی بیداری اور صحافت کا فروغ بھی فورٹ ولیم کالج کی نثر ہی کا نتیجہ تھا اور اس نے صدی کے آخر میں انگریز دشمنی کو ابھارنے میں بھی مدد دی۔ اس نثر نے تہذیبی بازیافت کے ذریعے لوگوں کی فکر کو تحریک دے کر حب الوطنی کے جذبات کی افزائش کی اور اردو نثر کو ارتقائی راہ پر ڈالا۔

حوالہ جات

۱۔ قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۶ء ص ۹۵۔

۲۔ باری، کمپنی کی حکومت، لاہور، نیا ادارہ، ۱۹۶۹ء ص ۲۴۵۔

۳۔ قادری، حامد حسن، حوالہ سابقہ، ص ۹۶۔

۴۔ باری، حوالہ سابقہ، ۲۴۶۔

۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، (ابتدا اردو سے ۱۹۷۵ء تک) کراچی، انجمن ترقی اردو ادب، ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۸۔

۶۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (مدیر خصوصی کیپٹن فیاض محمود) آٹھویں جلد، اردو ادب (سوم) لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص ص ۵۴۔۵۵۔

۷۔ ایضاً، حوالہ سابقہ، ص ص ۸۷، ۶۸، ۴۵۔

۸۔ قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۶ء ص ص ۲۶، ۵۸، ۶۸۔

۹۔ قادری، حامد حسن، حوالہ سابقہ، ص ۶۲۔

۱۰۔ شہناز انجم، ڈاکٹر، ادبی نثر کا ارتقاء، نئی دہلی، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۸۵ء، ص ص ۱۳۵۔۱۶۶۔

۱۱۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، حوالہ سابقہ، ص ص ۷۰۔۸۵۔